ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.3 (2025)
(July to September)

علی عباس جلال پوری کے ناول "پریم کا پنچھی پنکھ پسارے" کا تنقیدی جائزہ

Critical review of Ali Abbas Jalal's Puri novel "Prem Ka Panchi Pankh Pasare"

ڈاکٹر اسد رؤف
گوجرانوالہ، پنجاب، پاکستان
ڈاکٹر اظہر اقبال اظہر
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ گریجویٹ اسلامیہ کالج، گوجرانوالہ

Dr. Asad Rauf
Gujranwala, Punjab, Pakistan
Dr. Azhar Iqbal Azhar
Assistant Professor, Govt. Graduate Islamia College, Gujranwala

Abstract:
Whenever the discussion revolves around philosophy, logic, history, civilization, and human social consciousness, the name of Ali Abbas Jalalpuri comes to mind. He is a pioneer of the enlightenment movement in Pakistan. The words that flow from his pen possess a unique style along with logical coherence and conviction. He is one of the rare personalities who have established their intellectual and philosophical stature in the subcontinent. His work, " Prem Ka Panchi Pankh Pasare," is a masterpiece of his youthful days. The novel under consideration, despite being romantic in nature, is rich in intellectual and philosophical themes, showcasing characters with different perspectives. Through the love story of the two persons with different religious beliefs, the novelist emphasizes the importance of feelings, peace, equality, and brotherhood in Indian society.

Keywords: History, Civilization, Ali Abbas Jalalpuri, Personalities, Consideration, Philosophical themes, Showcasing characters, Indian society, Badsah, Kanta

فلسفہ و منطق، تاریخ و تہذیب اور انسان کے سماجی شعور کی بات جب جب چلتی ہے علی عباس جلال پوری کا نام ذہن میں آتا ہے۔ وہ پاکستان میں خرد افروزی کی تحریک کے پیش رو ہیں۔ ان کے نوکِ قلم سے نکلے ہوئے الفاظ ایک پر اصرار اسلوب کے ساتھ ساتھ منطقی ربط و تسلسل رکھتے ہیں۔ وہ ان نابغۂ روز شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے برصغیر میں اپنی علمی و فکری حیثیت منوائی ہے۔ "پریم کا پنچھی پنکھ پسارے" اُن کے ایام جوانی کا ایک شاہکار ہے۔ یہ ناول رومانوی نوعیت کا ہونے کے باوجود بھی فکری خصوصیات سے مالا مال ہے۔ دو مختلف المذاہب کرداروں کی محبت سے ناول نگار نے ارضِ ہندوستان میں احساس، امن، مساوات اور بھائی چارے کے فروغ کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

علی عباس جلالپوری گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں اُردو کے پروفیسر رہے ہیں۔ وہ گوجرانوالہ میں ۱۹۵۵ء تا ۱۹۶۸ء تک قیام پذیر رہے۔ یہیں انھوں نے اپنی معرکۃ لآراء کتاب "اقبال کا علم الکلام" تحریر کی اور پروفیسر لالہ رخ بخاری کے بقول: اس ناول کا

ابتدائی مسودہ بھی گوجرانوالہ میں ہی تحریر کیا گیا۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ ناول زیور طباعت سے محروم تھا، معصوفہ نے ان کے اس ناول کو زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے علی عباس جلالپوری کے چاہنے والوں پر گراں قدر احسان کیا ہے۔ زیرِ نظر ناول جو محبت کی ایک کشتی میں سوار ایک مسلمان لڑکے (بادشاہ) اور ہندو لڑکی (کانتا) کی زندگی کے گرد گھومتا ہے۔

کانتا کو بادشاہ پہلے کئی بار دیکھ چکا ہے لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد کانتا کے قیامت خیز جوبن سے اس کا ٹاکرا اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے سنگیوں کے ہمراہ شکار کھیلنے پہاڑیوں پر جاتا ہے۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا جب کانتا کو نہاتے ہوئے دیکھتا ہے تو اُس کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو جاتا ہے۔ کانتا اگرچہ بچپن سے اُس کے عشق میں مبتلا ہے۔ تاہم اس کو قلق ہے کہ بادشاہ ہر جائی ہے اور گاؤں کی کئی لڑکیوں سے اس کے معاشقے چلتے رہتے ہیں۔ کانتا کا خیال ہے کہ حقیقی عشق زندگی میں صرف ایک ہی ہستی سے کیا جاتا ہے، باقی سب ہوس ہی ہوس ہے۔ کانتا کے عشق میں مبتلا ہونے کے بعد بادشاہ کو کانتا کی یاد بے کل کیے رکھتی ہے۔ وہ گاؤں کی کٹنی جیونی (جس کے ذریعے وہ گاؤں کی کئی لڑکیوں کو پھانس چکا تھا) کو پیسوں کا لالچ دے کر کانتا کے گھر بھیجتا ہے مگر کانتا اس کی پٹائی کر کے بھگا دیتی ہے۔ ایک دن بادشاہ اپنے دوستوں کے ہمراہ شکار کو جاتا ہے اور گہرے گڑھے میں گر کر شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کو خون میں لت پت دیکھ کر کانتا کی محبت جوش مارتی ہے۔ وہ پچھتاتی ہے کہ اُس کے تغافل کی وجہ سے بادشاہ کی یہ حالت ہوئی۔ بہر حال بادشاہ کی علالت دونوں کے ملاپ کا سبب بن جاتی ہے۔ بادشاہ اپنی حویلی کے جس کمرے میں سوتا ہے وہاں کانتا اُس سے رات کو ملنے آتی ہے۔ بادشاہ کے غسل صحت کی رات کانتا اس سے ملنے آتی ہے اور بادشاہ کے غسلِ صحت کی یہ رات شبِ وصل میں ڈھل جاتی ہے:

> "میں نے اُس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے سینے سے لگایا تو وہ میری جانب لڑھک آئی۔ میں نے اُسے بازوؤں میں تھام کر پلنگ پر بٹھا لیا اور اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُس کی آنکھیں، گال، گردن اور ہونٹ چومنے لگا۔ اُس کا سانس اکھڑ گیا اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ بے اختیاری کے عالم میں میرے ہاتھ دراز ہونے لگے تو اس نے انہیں اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ میں نے چھڑانے کی کوشش کی تو اس نے میرے ہاتھ گود میں رکھ کر داب لیے۔ میں نے ایک بار پھر اُس کے ہونٹوں کا شہد گھونٹ گھونٹ پیا اور پھر خوشبوؤں کا ریلا آ گیا۔۔۔ میرے ہاتھوں پر اُس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو وہ پھر گستاخیوں پر اتر آئے۔ اُس نے اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا اور غنغناتے ہوئے کہا بتی بجھا دیں۔"(۱)

ناول کا پلاٹ اپنے حسن ترتیب کی بدولت عمدہ ہے۔ ناول نگار نے پلاٹ کی بنت میں جس فنی بصیرت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ متعدد ناول اس خوبی سے محروم ہیں۔ ناول کی کہانی تسلسل اور وحدت تاثر پیش کرتی ہے۔ کہیں الجھاؤ یا پیچیدگی کا تاثر نہیں۔ یہی ایک اچھے ناول نگار کی خوبی ہے۔ ناول کی زبان سادہ، دل چسپ اور سحر کن اسلوب کی حامل ہے چوں کہ کہانی میں دو مختلف المذاہب کردار (ہندو، مسلم) جن کی زبان، تہذیب و تمدن، رسم و رواج، مذہبی نظریات بالکل جدا جدا ہیں، ناول نگار نے اس فرق کو بہت عمدگی اور نفاست کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انھوں نے ہندی الفاظ کو متعدد جگہ استعمال کر کے اردو اور ہندی دو زبانوں کا بالکل ایسا ہی ملاپ کروایا ہے جیسا بادشاہ اور کانتا کا۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ناول کی دل چسپی جس طرح محبت کی کہانی سے وابستہ ہے بالکل اسی طرح اس کے اسلوب بیان سے بھی جڑی ہوئی ہے۔ واقعاتی نزاکت اور اسلوبیاتی نفاست باہم آمیختہ ہیں۔ ہندی الفاظ جملوں کی بندش میں انگریزی یا

پنجابی کے الفاظ کی طرح غیر مانوس معلوم نہیں ہوتے بلکہ جملوں کی دل کشی اور خوب صورتی میں دو چند اضافہ کرتے ہیں۔ یہ ناول نگار کا کمال فن ہے۔ ایک اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

> "پھر لکھا تھا کہ میں آپ کے لیے بہت اداس ہوں ہر روز کاگ اڑاتی ہوں، اب کے آپ آئیں گے میں آپ کو کھیر کھلاؤں گی۔ سوما پیری پاؤناں کہتی ہے اور آپ کو بہت یاد کرتی ہے تیرا متر تو مہاتما ہے۔ میں اندھیری رات کو اکیلی اس کے پاس گئی اور اس نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا۔ کانتا! تو بڑی بھاگوان ہے ایسا سجن کسی کسی کو ملتا ہے۔ یہ سن کر میں تڑپ اٹھی جیسے برہابان میرے سینے میں اتر گیا ہو سیدھی گھر گئی اور اوندھے منہ کھاٹ پر لیٹ گئی۔ آنسوؤں کی دھار تھمنے میں نہیں آتی تھی اور سکیوں سے میرا شریر تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اتنے میں کسی نے میرے پاس لیٹ کر مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ میں گھپ اندھیرے میں بھی جان گئی کہ یہ سوما ہے۔ وہ بولی "دھیرج سے کام لو، تمہارا سجن انھی دنوں میں آنے والا ہے، ایسے میں رونا اچھا شگن نہیں ہوتا۔"(۲)

ہندی الفاظ کے بکثرت استعمال سے ناول میں ایک مخصوص کیفیت پیدا ہو گئی ہے جو ہندوانہ ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔ متواتر چلتے ہوئے مباحث میں کانتا اور بادشاہ کے درمیان ہونے والے مکالموں میں ان الفاظ کا استعمال کانوں کو بھلا محسوس ہونے کے ساتھ ساتھ دل چسپی بھی پیدا کرتا ہے۔ ہندی الفاظ کی کچھ مثالیں دیکھیے۔ متر، مہاتما، بھاگوان، اوندھے، سگن، دھیرج، جھلنگے، پریم پتر، پہنہ، واہ، مکھڑا، پریم، وشواش، بمل، وچن، سگندھ، دوش، چنش، ماندہ، بدھائی، شبھ، مکھ، لاج، امرت، دیوی، پرائسچت، گھگی، اپرادھی، مندر، گھڑیال، بھونچکی، پریمیکا، پسر، شوبھا، بنتی، بھوپن، مہاپن، لگاوٹ، شدھ، کھتری، اِچھا، نمسکار، منش، ہردے، انگیا، سناتنی، پنڈت، بندیا، کاگ۔ ناول نگار نے ایک اور عنصر کو ناول میں جس احتیاط سے برتا ہے، وہ قابل تحسین بھی ہے اور قابل داد بھی۔ جہاں بادشاہ کی گفتگو ہے یا وہ کسی مسلمان سے ہم کلام ہوتا ہے ایسے پیرایہ بیان میں ہندی الفاظ کا استعمال نہیں کیا جب کہ جہاں وہ کانتا سے گفتگو کرتا ہے یا کسی ہندو کردار سے محو کلام ہوتا ہے، وہاں ہندو کردار کی زبان سے جو پیرایہ بیان ادا کرواتا ہے وہ ہندوانہ لب و لہجے کا غماز ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عام ناول نگار بھٹک جاتے ہیں اور کرداروں کی زبان کے بجائے اپنی زبان بولنا شروع کر دیتے ہیں جس سے تمام کے تمام کردار ایک جیسے لب و لہجے میں ڈھل کر اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں اور ناول نگار ایک سوانح نگار کا روپ دھار لیتا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کے بقول ناول میں قصے اور عمل کی پاسداری کرداروں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ انھیں جیتا اور جاگتا ہونا چاہیے اور اپنی زبان سے اظہار کا نمونہ بھی، اسی میں ناول کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔(۳)

سید علی عباس جلالپوری کے ہاں ایسا نہیں۔ کردار اپنی اپنی زبان میں گفتگو کرتے ہیں اپنے ماحول، مزاج، عقائد و نظریات، تہذیب و تمدن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ناول نگار ان کرداروں میں کہیں گم نہیں ہوتا بلکہ اپنے اوپر وہ کیفیت طاری کر لیتا ہے کہ خود کردار بن جاتا ہے اور حقیقی معنوں میں ایک سچا اور کھرا کردار پیش کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس اسلوب بیان کی مثالیں ملاحظہ کیجیے۔ ناول نگار کی زبان کا ایک نمونہ:

> "میں نے جیونی کی زبانی کانتا کو کہا بھیجا کہ کسی دن آ کر مل جاؤ لیکن ادھر سے ہی جواب ملا کہ موقع ملا تو آؤ گی۔ ایک دن وہ کھڑکی کے سامنے سے گزرتی ہوئی ایک کاغذ اندر پھینک

گئی جس میں لکھا تھا کہ جیونی سے کہیں گلی سے گزرتے ہوئے مجھے نہ بلایا کرے، ستیہ شک کرنے لگی ہے۔ میں نے ایک پنڈت سے ہندی پڑھی تھی لیکن میرا خط بھونڈا تھا۔ ستیہ کے نام پر ایک رقعہ پکڑا گیا تھا۔ بات یوں ہوئی کہ میرا رقعہ ستیہ نے اپنی انگیا میں اُڑا اس رکھا تھا۔ اس نے کپڑے بدلے تو یہ رقعہ گر پڑا اور اس کی بھابی نے اٹھالیا اور تو جو کچھ ہوا سو ہوا لڑکیوں نے میرے بھرے خط پر خوب پھبتیاں کہیں کانتا کے ساتھ یہ طے ہوا کہ وہ اپنا رقعہ ہمارے دیوان خانے کی دیوار کے ایک شگاف میں رکھ جایا کرے اور میرا وہی سے لے جایا کرے۔ اس کی لکھائی بہت عمدہ تھی اور وہ خوب بنا سنوار رکھتی تھی جب کبھی وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتی تو مجھے ہی شبہ ہوتا کہ وہ میرے بھرے خط پر طنزیہ مسکرا رہی ہے، میں نے غسل صحت کیا تو گھر میں خوشی کا جشن منایا گیا برادری کو دعوت دی گئی اور قسم قسم کے کھانے پکوائے گئے۔"(۴)

کانتا کے حوالے سے ناول نگاری کی زبان کا نمونہ:

"ہاں" وہ کہنے لگی "سنا تینی پنڈت نہیں کھاتے۔ جب آپ گلی کے نکڑ پر میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں اندر جا کر ایک جھلنگے پر لیٹ گئی۔ میرے ہاتھ پاؤں سن ہو گئے تھے اور سینے میں ہوک اٹھ رہی تھی۔ آپ کا مکھڑا میری آنکھوں کے سامنے تھا میں نے اپنے آپ سے کہا "کیا یہی پیار ہے؟" انھیں دنوں ستیہ کے نام آپ کا پریم پتر پکڑا گیا۔ یہ سن کر میرے دل میں گھونسا لگا۔"(۵)

ناول میں ایک خوش کن صورت حال ناول کے مکالموں کی بھی ہے۔ مکالموں میں تین کردار (بادشاہ، کانتا، سوما) زیادہ محوِ گفتگو ہوئے ہیں۔ مکالمے برجستہ، شستہ اور بروقت ہیں۔ جملوں کا دروبست اور اُٹھان مصرعوں کی طرح ہے۔ مکالمے پڑھتے ہوئے کسی عشقیہ منظوم قصے کے مصرعے معلوم ہوتے ہیں۔ جن میں محبت، خلوص، سچائی اور دیوانگی کی کیفیت قاری کے رگ وپے میں سرایت کر جاتی ہے۔ ہر مکالمہ اپنے اندازِ بیان کے اعتبار سے شان دار ہے۔ ناول میں مکالموں سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ اگرچہ قیصرہ ناہید کے مطابق بے جا طوالت سے ناول کی فن کاری پر آنچ آتی ہے (۶) لیکن یہاں طویل مکالمے عام ناولوں کے مکالموں کی طرح اکتاہٹ کا شکار نہیں ہونے دیتے اور نہ ہی ایسی سنجیدگی میں گم کر دیتے ہیں کہ دلچسپی کا عنصر مفقود ہو جائے اور کہانی بے معنی لگنے لگے۔ یہاں ناول نگار کے کمالِ فن کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس نے طویل مکالموں میں جس نظم وضبط اور دلچسپی کو ملحوظ رکھا ہے اور کامیابی کے ساتھ اس کٹھن راہ گزر سے آگے بڑھ گیا ہے۔ ایک طویل مکالمے کا اقتباس:

"کانتا! تمہاری ماں کو میرے آنے کی خبر ہے؟"

"نہیں تو" وہ مسکرا کے بولی

"اسے خبر ہوتی تو میرے لیے یہاں آنا مشکل ہو جاتا۔ ہمیں جیونی کی زبانی پتہ چل گیا تھا کہ آپ آج آ رہے ہیں۔ ہم دونوں آپ کی راہ تک رہی تھیں اور آپ کے لیے کھیر پکا

رہی تھیں۔ ہم نے اس میں اتنا دودھ کھپایا، اتنا دودھ کھپایا ہے کہ بس۔۔۔ کھویا ہی بنا دیا ہے۔ ہم نے ناریل پیس کر ملایا ہے۔ آپ کے ہاں ناریل کتر کر ڈالتے ہیں۔ ہے ناں؟

"ہاں" میں نے یونہی کہہ دیا۔ کانتا کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ بس! اسی لیے ہماری کھیر زیادہ مزے دار ہوتی ہے۔ ہم دودھ زیادہ ڈالتے ہیں اور دھیمی آنچ پر پکاتے ہیں جس سے کھوئے کا سواد بن جاتا ہے۔"

میں اُس کی چمکتی دہکتی آنکھوں، گلابی رخساروں اور شوخ مسکراہٹ کے نظارے میں محو تھا۔ اس نے وہ بڑا سا تھال میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا: "اچھا تو یہ کھی کھا لیجیے۔"

پھر سوما کی طرف دیکھ کر بولی

"ہائے سوما! ہم چمچ تو لائی ہی نہیں اور چاندی کے ورق بھی نہیں لگائے۔ بس یہی ہم میں اور مسلمانوں میں فرق ہے۔ وہ سدا ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اب چمچ کہاں سے آئے گا۔"

میں نے کہا "الماری میں دیکھو شاید کوئی گراپڑا مل جائے۔"

اُس نے الماری کھولی اور ڈبے اُٹھالائی "ان میں کیا ہے؟"

میں نے ڈبے اُس کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھ دیے اور کہا

"لاؤ! اوہ چمچ میں کھیر کھالوں تو بتاؤں گا۔"

کھیر بہت ہی مزے دار تھی، شاید اس لیے بھی کہ اس میں کانتا کے پیار کا رس گھلا ہوا تھا۔ کانتا دائیں ہاتھ کی انگلی نچا کر بولی۔

"جلدی سے کھایئے ناں! میں سوما کی ساری دیکھنا چاہتی ہوں"

میں جان بوجھ کر ہولے ہولے کھانے لگا تو وہ بولی۔

"مزے دار ہے۔ ہے ناں؟"

"بہت ہی مزے دار ہے؟" میں نے ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا "یہ تم نے اچھا کیا کہ سبز الائچی ثابت ڈال دی۔"

وہ لگاوٹ میں بگڑ کر بولی "پھر جلدی جلدی کھایئے ناں!"

میں نے کہا "اچھی چیز سہج سہج کھائی جاتی ہے تاکہ مزہ زیادہ ملے۔"

سوما مسکرا کر بولی "ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔"

کانتا پر بے چینی کا عالم تھا۔ وہ ڈبوں کو ٹٹول کر کہنے لگی

"ایک بات پوچھوں؟ سچ سچ بتائیں گے ناں؟"

"ہاں" میں نے کہا "میں تمہارے سامنے جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔"

"آپ مجھے ستانے کے لیے سہج سہج کھیر کھا رہے ہیں۔ ہے ناں؟" اُس نے شوخی سے پوچھا
میں ہنس پڑا "تم ٹھیک کہتی ہو۔"
وہ منہ بسورنے لگی اور سوما سے کہا
"سوما دیکھو! ایسا متر بھی تم نے کبھی دیکھا ہے جو اپنی سجنی کو ستا کر خوش ہوتا ہو۔"
"ہاں" سوما نے ہنس کر کہا
"کون؟"
"تمہارا متر"
کانتا نے ہاتھ بڑھا کر کھیر کا تھال اُٹھا لیا اور ایک طرف رکھ دیا۔ میں نے سوما سے پوچھا۔
اتنی مدت کی اُداسی ہے اترنے ہی میں نہیں آتی" پھر الہڑ پنے سے بولی
"پہن لوں وہ جوڑا"
میں نے کہا "اے لو وہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا۔" (۷)

ناول میں زبان و بیان کے چٹخارے اور فنی لوازمات کی پوری جلوہ گری دکھائی دیتی ہے۔ ہندی کہاوتیں مخصوص لب و لہجہ، ادبی لذت سے بھرپور جملے اور تشبیہات اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔ تشبیہ کی مثال ملاحظہ کیجیے:

"تمہارا پیار میرے جیون میں یوں آیا جیسے پھاگن کی ہوا کے کومل جھونکے پہلی بار کسی باغ
میں آتے ہیں اور بکستی کلیوں کی سگندھ سارے میں پھیل جاتی ہے۔" (۸)

وصل کی کی کیفیت کو ناول نگار نے یوں بیان کیا ہے کہ لفظوں کی ساخت اور جملوں کی بناوٹ قاری پر سرطاری کر دیتی ہے۔ دیکھیے:

میں نے ایک بار پھر اُس کے ہونٹوں کا شہد گھونٹ گھونٹ پیا اور پھر خوشبوؤں کا ریلا آ
گیا۔ چنبیلی کے پھولوں کی خوشبو، اس کے سر کے بالوں کی خوشبو، اس کے لب و دہن اور
سانسوں کی خوشبو سارے بدن میں پھیل گئی اور اُس کے گدرائے ہوئے بدن کا چندن
مہک اٹھا۔" (۹)

ناول میں ہندی الفاظ، محاورات، تماثیل اور مرکبات مذکورہ مشترکہ تہذیبی و ثقافتی تناظر میں آئے ہیں۔ ناول نگار نے ناول کا نقشہ ناول کے کینوس پر اس طرح وضع کیا ہے کہ کرداروں، تہذیبی و ثقافتی پہلوؤں اور لسانی ابعاد یکجا ہو کر متوازن وحدت میں ڈھل گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں جہاں کہیں ہندو اور مسلمان کردار آئے ہیں، اس اعتبار سے لسانی ساختیں بھی متشکل ہوئی ہیں۔ کرداروں کی پیش کش میں حرکی ارتقائی اور قدرتی صورت پذیری کو مہارت سے راہ دی گئی ہے۔ کانتا کا کردار بادشاہ کے مقابلے زیادہ توانا، طاقتور، پرجوش، موانعات کو توڑ دینے، سمجھوتہ نہ کرنے اور محبت پر مکمل ایمان رکھنے والا ہے۔ دونوں کی محبت کی طاقت اور مزاحمت کی نوعیت اس وقت معنی پاتی ہے جب وقت انھیں بابِ جنت سے دھکیل کر بابِ دوزخ میں لا پھینکتا ہے۔ ظاہر ہے آگے شعلوں کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ شہر تمنا اور رقص الاؤ کے اس ٹکراؤ میں بادشاہ کے لیے قدرے محفوظ راستہ موجود ہے، مگر کانتا کے لیے سوئے راکھ میں ڈھلنے کے اور کوئی صورت باقی نہیں۔ اس ناول کے بارے میں ڈاکٹر طارق جاوید کی رائے صاد معلوم ہوتی ہے۔

"پریم کا پنچھی پنکھ پسارے" میں محبت کی خالص ترین صورت اپنی چھب دکھاتی ہے۔ یہ ایسی محبت ہے جو عورت اور مرد کے تندرست اور توانا بدن سے پھوٹتی ہوئی ان کے پورے وجود پر حاوی ہو جاتی ہے۔ دو دلوں اور ذہنوں سے پھوٹتی ہوئی یہ محبت کسی ماورائی مغالطے کا شکار نہیں۔ دھرتی کی طرح اس کا رخ وصل سے معنی پاتا ہے۔ کانتا اور بادشاہ کی محبت خالص ترین انسانی محبت ہے اور یہی چیز اسے انسانیت کا حامل بھی بنا دیتی ہے۔ یہ محبت دونوں کے ذہنوں کو اس طرح سیالانہ حالت میں لے آتی ہے کہ وہ محسوس و نامحسوس انداز میں اپنے اپنے مذہبی دائروں سے کھسک جاتے ہیں۔ اس خالص محبت کے راستہ میں مذہب کے بعد ایک دوسرا بڑا barrier خاندان کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اگر مؤخر الذکر عامل پر غور کیا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہیں کہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل میں جہاں خالص ترین محبت پنپ سکے، روایتی خاندانی اکائی کی تحلیل ناگزیر ہے۔"(۱۰)

مجموعی حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ناول رومانی نوعیت کا ہے۔ اس ناول میں علی عباس جلال پوری نے ہندو مسلم کرداروں کو امن و محبت کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جیسے اُنھوں نے بطور ماہرِ اقبال اپنی حیثیت کو منوایا ہے؛ ویسے ہی اُنھوں نے ہر حوالے سے ناول کو فکری و فنی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ کر کے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ وہ نہ صرف ناول کی صنفی خصوصیات سے مکمل طور پر آگاہ ہیں بلکہ ان کے اظہار میں بھی کامل عبور رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ علی عباس جلال پوری، پریم کا پنچھی پنکھ پسارے، رز نگار بک فاؤنڈیشن، فیصل آباد، س۔ن، ص:۳۸

۲۔ ایضاً، ص:۶۹ تا ۷۰

۳۔ ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اُردو ناول، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص:۴۵

۴۔ علی عباس جلال پوری، پریم کا پنچھی پنکھ پسارے، رز نگار بک فاؤنڈیشن، فیصل آباد، س۔ن، ص:۱۷

۵۔ ایضاً، ص:۲۴

۶۔ قیصرہ ناہید، ڈاکٹر، اردو ناول کی تاریخ (موضوع، تکنیک اور اسلوب ۱۸۶۹ء تا حال)، لاہور: علم و عرفان پبلشرز، جنوری ۲۰۲۴ء، ص:۳۷

۷۔ علی عباس جلال پوری، پریم کا پنچھی پنکھ پسارے، رز نگار بک فاؤنڈیشن، فیصل آباد، س۔ن، ص:۷۲ تا ۷۴

۸۔ ایضاً، ص:۲۱

۹۔ ایضاً، ص:۳۸

۱۰۔ طارق جاوید، ڈاکٹر، امکانات، نئی لہر پبلشرز، گوجرانوالہ، ص:۴۰۷، ۴۰۸

References in Roman Script:

1. Ali Abbas Jalalpuri, Prem ka Panchhi Pankh Pasaare, Razngaar Book Foundation, Faisalabad, s.n., p. 38
2. Ibid., p. 69–70
3. Mumtaz Ahmad Khan, Dr., Azadi ke baad Urdu Novel, Anjuman Taraqqi Urdu Pakistan, Karachi, 1997, p. 45
4. Ali Abbas Jalalpuri, Prem ka Panchhi Pankh Pasaare, Razngaar Book Foundation, Faisalabad, s.n., p. 71
5. Ibid., p. 24
6. Qaisra Naheed, Dr., Urdu Novel ki Tareekh (Mauzu, Technique aur Asloob 1869 ta Haal), Lahore: Ilm-o-Irfan Publishers, January 2024, p. 37
7. Ali Abbas Jalalpuri, Prem ka Panchhi Pankh Pasaare, Razngaar Book Foundation, Faisalabad, s.n., pp. 72–74
8. Ibid., p. 21
9. Ibid., p. 38
10. Tariq Javed, Dr., Imkanat, Nai Lehar Publishers, Gujranwala, p. 407, 708